بسم اللہ

صدی الجماعۃ

اِسلام

اور

اِنسانی جان کی حفاظت و عزّت

دینِ فطرت اور جہاد ۔ امن و آشتی کی اہمیت ۔ پناہ دینے کے لئے حوصلہ کی فراخی
قولِ مرداں جان دارد ۔ عہد شکنی کے جواب میں وفاءِ عہد کا عجیب و غریب قانون
غیر مسلم باشندگان ملک کی حفاظت مظلوم اقوام اور مسلمان کا فرض منصبی ۔

تبلیغ و دعوت کا قرآنی طریقہ

یہود کے متعلق قرآنی پیشین گوئی کی حقیقت

اعتراضات کے جواب اور ایک اخبار کے

اداریہ پر تبصرہ

از: حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

شائع کردہ شعبۂ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ھند

قیمت ۵۰ پیسے ــــــــــ الجمعیۃ پریس دہلی

ملنے کا پتہ } (۱) الجمعیۃ بکڈپو ۔ گلی قاسم جان دھلی ۔۶
(۲) کتابستان ۔ گلی قاسم جان دھلی ۔۶

اِسلام ـــــ اور انسانی جان کی حفاظت و عزّت

یہ مضمون کیا ہے۔ اور کیوں لکھا گیا

عرب پر اسرائیل کے حملہ اور اُس کی اچانک کامیابی سے جہاں اور سوال کھڑے ہوئے کچھ لوگوں کے دلوں میں قرآن شریف کی چند آیتوں کے متعلق بھی سوال پیدا ہوا۔ مشہور عالم مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے اس کا جواب دیا جو بہت سے اخباروں میں شائع ہوا۔ ہفت روزہ الجمعیۃ میں بھی شائع ہوا اور دہلی کے اخبار "پرتاپ" نے بھی اس کو شائع کیا مگر اس اخبار کا منشا اعتراض کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے نہ صرف مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے جواب پر بلکہ قرآن شریف کی تعلیمات اور اسلام پر بھی اعتراضات کر دیئے جو نہ صرف بھونڈے اور بھدّے ہیں بلکہ اشتعال انگیز اور توہین آمیز ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہو اور ہندوستان کی فضا بد سے بدتر ہو جائے۔ حضرت مولانا محمّد میاں صاحب شیخ الحدیث و صدر مفتی مدرسہ امینیہ (سابق ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند) نے ان کا نہایت مدلّل جواب دیا جو روزنامہ الجمعیۃ کی متعدد قسطوں میں شائع کیا گیا۔ یہ جواب تمام حلقوں میں بہت پسند کیا گیا اور اہل ذوق حضرات کی طرف سے فرمائش کی گئی کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ یہ کتابچہ پیش خدمت ہے جس میں پہلے مولانا ظفر احمد صاحب کا جواب ہے اس کے بعد حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا مفصل مضمون ہے۔

جس کے پہلے حصّہ میں پرتاپ کے اداریہ پر تبصرہ ہے۔ پھر جان کی حفاظت۔ عین حالتِ جنگ میں غیر مسلم کو پناہ دینے۔ معاہدات کی پابندی وغیرہ کے متعلق اسلامی تعلیمات قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں اُمید ہے کہ حضرات ناظرین ان سے دلچسپی لیں گے اور ان کی تبلیغ کی خدمت انجام دینگے۔ جو ہر لحاظ سے نہایت اہم خدمت ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب کا مضمون

عرصہ سے حکومتِ اسرائیل کی وجہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ قرآن میں تو اس قوم کے لئے ذلّت و مسکنت کو لازم کیا گیا ہے۔ پھر اُن کو حکومت کیسے مل گئی۔ زبانی جواب سے سوال کرنے والوں کی تسلّی کر دی گئی ہے۔ مگر اب یہ سوال "صدق" لکھنؤ مورخہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا ہے تو تحریری جواب کی ضرورت ہے۔ اس شُبہ کے چند جوابات یہ ہیں:-

(۱) یہ کہ قرآن کریم میں جہاں یہود کے لئے ذلّت کو لازم کہا گیا ہے وہاں دو حالتوں کا استثناء بھی موجود ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:-

اُن پر ذلّت جما دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے مگر ہاں (دو ذریعوں سے یہ ذلّت رفع ہو جائیگی) ایک تو ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی طرف سے ہو، دوسرے ایسے ذریعے کے سبب جو آدمیوں کی طرف سے ہو

اللہ کی طرف کا ذریعہ تو یہ ہے کہ کوئی یہودی اسلام لے آئے یا جزیہ دیکر

رعایائے اسلام میں داخل ہوجائے تو حکومتِ اسلام اس کی جان و مال و آبرو
کی محافظ ہوگی۔ اور آدمیوں کے ذریعہ سے مراد یہ ہے کہ کسی قوم کی پشت پناہی
اُن کو حاصل ہوجائے تو اس صورت میں ذلّت رفع ہوجائے گی۔ اب
ظاہر ہے کہ اس وقت جو اسرائیل کی حکومت ہے اس کو برطانیہ و امریکہ کی
پشت پناہی حاصل ہے اور پہلے روس کی پشت پناہی بھی حاصل تھی اب
قرآن پر کوئی اشکال نہیں۔ اگر کسی طاقتور قوم کی پشت پناہی اُن کو حاصل نہ
ہو تو ایک دن بھی حکومتِ اسرائیل قائم نہیں رہ سکتی اور جتنے یہ پہلے ذلیل
تھے ویسے ہی ذلیل کے ذلیل رہیں گے۔

(۲) مسلم شریف میں حدیث صحیح موجود ہے: "عبداللہ بن عمر رضی اللہ
عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم سے یہود
جنگ کریں گے تم پھر اُن پر مسلط و غالب ہوجاؤ گے۔ یہاں تک کہ درخت
اور پتھر بولیں گے اے مسلم! یہ یہودی میرے پیچھے (چھپا ہوا) ہے اس کو
قتل کردے۔" (ص ۳۹۶ جلد ۲)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک
تمہارے اور یہود کے درمیان جنگ نہ ہوجائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

پرتاپ کے ایک اداریہ پر تبصرہ

از مولانا سید محمد میاں صاحب

میں صرف خبریں معلوم کرنے کے لئے کوئی ایک اخبار پڑھ لیتا ہوں،
اس سے زیادہ اخبار پڑھنے کا مجھے موقعہ نہیں ملتا۔ مسلمان ہوں
اور بتقاضائے اسلام صلح پسند ہوں، پرانا کانگریسی بھی ہوں اور
تحریک آزادی میں گاندھی کے اصول ستیہ گرہ کا پابند رہ چکا ہوں
میل ملاپ کو انسانیت کا جوہر سمجھتا ہوں، لہٰذا جو اخبار ان باتوں
کے مخالف مانے جاتے ہیں، اُن کی طرف طبیعت متوجہ نہیں ہوتی نہ
ان کے پڑھنے کی نوبت آتی ہے۔

مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط مقامی معاصر (پرتاپ) کی تردید اکثر
کرتے رہتے ہیں اور اُن کی شکایت یہ ہوتی ہے کہ ایڈیٹر پرتاپ" نریندرجی"
بلاوجہ مسلمانوں کے خلاف اشتعال پھیلاتے رہتے ہیں اور کوئی معمولی سا

بہانہ مل جاتا ہے تو مسلمانوں کے خلاف بے بنیاد اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ مگر میں مولانا محمد عثمان صاحب کی اس شکایت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا اور کبھی صحافتی چشمک سمجھ لیا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے پرتاپ کا مضمون دیکھ کر موازنہ کرنے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ مگر جناب محترم میر مشتاق احمد صاحب نے نریندر صاحب کے ایک ایڈیٹوریل کی طرف مجھے توجہ دلائی جو "اسلام اور مذہبی قتل" کے عنوان سے پرتاپ مورخہ یکم اکتوبر [illegible] میں شائع ہوا ہے۔

میں نے یہ مضمون پڑھا۔ پہلی ہی نظر میں جو چیز بے جا معلوم ہوئی وہ اس کا عنوان ہے۔

جس اسلام کے بنیادی اصول یہ ہوں:

(۱) "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" مذہب اور دھرم کے بارے میں کسی طرح کے کسی جبر اور زبردستی کی گنجائش نہیں ہے۔"

(سورۃ بقرۃ قرآن شریف)

(۲) جو اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہیں ان کے دیوتاؤں کی توہین نہ کرو۔ (قرآن شریف سورۃ الانعام)

اس اسلام کے ساتھ مذہبی قتل کا جوڑ کس طرح لگ سکتا ہے؟

بہرحال میں نے یہ اداریہ پڑھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ مولانا فارقلیط صاحب کی شکایت صحیح ہے۔ نریندر صاحب کہیں کی بات کہیں لگا کر مسلمانوں پر اشتعال انگیز الزامات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ تکیہ کلام یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچانے کے لئے نہیں لکھ رہا ہوں اور مزید لطف یہ کہ استدلال کی نوعیت یہ ہوتی ہے۔ سوال از ریسماں جواب از آسماں۔

اب آپ کی اصول پسندی ملاحظہ فرمائیے۔

جس روایت پر آپ نے یہ پورا اداریہ لکھا ہے اور یہ الزام لگایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے قتل کا اُپدیش دیا ہے اس روایت کے الفاظ خود نریندر صاحب نے یہ نقل کئے ہیں۔

"تم سے یہود جنگ کریں گے تم پھر ان پر مسلط اور غالب ہو جاؤگے یہاں تک کہ درخت اور پتھر بولیں گے اے مسلم یہ یہودی میرے پیچھے (چھپا ہوا) ہے اس کو قتل کر دے۔"

اب آپ کی پہلی اصول پسندی یہ ہے کہ جو بات درخت اور پتھر

کہیں گے وہ آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

(۲) نریندر صاحب کی دوسری اصول پسندی یہ ہے کہ آپ نے پیشین گوئی کو حکم سمجھ لیا۔ روایت کے یہ الفاظ بھی نریندر صاحب نے نقل کئے ہیں۔

"قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تمہارے اور یہود کے درمیان جنگ نہ ہو جائے۔"

ہر ایک انصاف پسند حدیث کا مفہوم یہی سمجھے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ یہود جنگ کریں گے ایسے ہی آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ سرزمین فلسطین کو یہود سے نفرت ہو جائے گی یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی یہود کے دشمن ہو جائیں گے اور یہودی اگر ان کی پناہ لیں گے تو یہ پناہ دینے کو بھی تیار نہ ہوں گے بلکہ چغلی بھی کر دیں گے۔

نریندر صاحب اپنی حیثیت میں ایک کامیاب صحافی ہیں۔ نریندر صاحب نے یہ خبر پڑھی بھی ہوگی اور اس کے دُور رس نتیجہ پر بھی غور کیا ہوگا کہ فلسطین سے متصل بلکہ فلسطین ہی کے ایک ٹکڑے کے حکمراں شاہ حسین ماسکو گئے وہاں اُن کا شاندار استقبال ہوا اور رُوس نے وعدہ کیا کہ وہ اردن کی پوری مدد کرے گا۔

اب فرض کیجئے کہ سرمایہ داری کے خلاف فلسطین میں تحریک چلتی ہے اور فلسطین کے باشندے جن میں عیسائی بھی شامل ہیں وہ سرمایہ دار یہود کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ پھر یہود پر باہر سے حملہ ہوتا ہے تو فلسطین کے مسلم اور غیر مسلم باشندے حملہ آور کا ساتھ دیتے ہیں اور وہ خود سرمایہ دار یہودیوں کو موت کے گھاٹ اُتارتے ہیں تو کیا کوئی بھی انصاف پسند کہہ سکتا ہے کہ فلسطین کے باشندے ہیں جن میں عیسائی بھی ہیں یہ قتل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کریں گے یا یہ قتل مذہب کی بنا پر ہوگا یا یہ جنگ مذہبی جنگ ہوگی۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا قصور صرف یہ ہے کہ آپ نے ایسے حادثہ کی خبر دیدی ہے جو چودہ سو برس بعد ہونے والا تھا۔

مسلم شریف کی روایت میں یہ ہے کہ اے مسلم یہ یہودی میرے پیچھے ہے لیکن بخاری شریف کی ایک روایت میں "مسلم" کا لفظ نہیں بلکہ یا عبداللہ کا لفظ ہے۔ یعنی پتھر یہ کہے گا کہ اے بندۂ خدا۔

عربی اور خود ہمارے اُردو محاورے کے لحاظ سے بندۂ خدا خود نریندر صاحب بھی ہیں۔

میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ پیشین گوئی پوری ہونے کا وقت آگیا ہے

میرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد پیشین گوئی ہے
اس کو حکم قرار دینا سراسر بہتان اور ظلم ہے اس کی واضح مثال یہ ہے کہ
آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ وقت آئے گا کہ دوسری
قومیں مسلمانوں کے ممالک کے حصّے بخرے کریں گی اور اس کا سبب یہ نہیں
ہوگا کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی بلکہ سبب یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں زندگی سے
محبت اور موت سے نفرت پیدا ہوجائے گی۔ یہ پیشین گوئی آج صادق ہے
مگر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو بزدلی
کی ہدایت فرمائی ہے اور اس کو پسند کیا۔

(۳) تیسری اصول پسندی یہ ہے کہ آپ زمانۂ جنگ اور زمانۂ امن کا
فرق نہیں کرسکے۔ یا جان بوجھ کر مسلمانوں پر کیچڑ اُچھالنے اور اُن کے خلاف
نفرت اور اشتعال پھیلانے کے لئے جنگ کی بات کو آپ نے زمانۂ امن پر
چسپاں (لاگو) کردیا ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ جنگ اور امن کے زمانوں
میں وہی فرق ہوتا ہے جو موسمِ خزاں اور موسمِ بہار میں یا صحرا رسینا کی بادِ سموم
اور وادیٔ کشمیر کی نسیم صبح میں۔ یہی حضرت محمد (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم
جن کو زیندر صاحب ملعون کر رہے ہیں کہ

"جو شخص کسی دوسرے انسان کے قتل کو حق بجانب قرار دے سکتا
ہے اس کی دوسری باتوں پر کہاں تک کوئی عمل کرے!"

اور جن کے متعلق آپ کی غلط فہمی یا بدگمانی یہ ہے کہ انھوں نے قتلِ یہود
کا حکم دیا۔ یہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو معاف فرماتے ہیں جنھوں نے
آپ کے قتل کی سازش کی اور کھُلے بندوں اعتراف کیا کہ اس سازش کے بانی
ہم ہیں۔

بیشمار واقعات میں سے یہاں صرف ایسے واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے
جن کا تعلق یہود سے ہے اور جو اتنے مشہور ہیں کہ تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت
رکھنے والا بھی ان کو آفتاب کی طرح روشن حقیقت سمجھتا ہے

(۱) خیبر سرزمین حجاز میں یہود کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ
علیہ وسلم نے اس کو فتح کیا۔ فتح کے چند روز بعد آپ نے وہاں قیام کیا۔ جنگ
اگرچہ ختم ہوگئی تھی مگر مہذب دنیا کے عام قاعدہ کے مطابق ابھی فوجی حکومت کا
زمانہ تھا جس میں توپ و تفنگ کی زبان سے بات ہوا کرتی ہے اور محض شبہ پر
بڑی سے بڑی تباہی مچادی جاتی ہے

یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کا انتظام کیا۔ ایک بہت

بڑے رئیس (راجہ) کی بیوی" زینب" میزبان تھی۔ آپ کے سامنے جو بکری کا گوشت پیش کیا گیا اس میں زہر ملا دیا گیا۔ آپ نے ایک لقمہ یا چند لقمے تناول فرمائے پھر آپ کو زہر کا احساس ہوا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ پر زہر کا اثر نہیں ہوا مگر حضرت بشر بن برار جو آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے وہ جانبر نہ ہو سکے، اگلے روز شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہود کو طلب فرمایا اور بخاری کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں۔ کیا آپ سچ سچ بتائیں گے"؟

یہود۔ ضرور؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم۔ کیا آپ لوگوں نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟

یہود۔ بیشک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم۔ کیوں؟

یہود نے بڑی دلیری اور سینہ زوری سے جواب دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ کی مصیبت سے ہمیں نجات مل جائے گی اور اگر آپ سچے ہیں تو آپ پر زہر کا اثر نہیں ہوگا"۔

یہ مسئلہ دوسرا ہے کہ آپ کی صداقت کو ماننے کے بعد بھی یہ یہود مسلمان نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کے دماغوں میں یہ غلط عقیدہ رچا دیا گیا تھا کہ وہ اسی نبی پر ایمان لائیں گے جو اُن کا ہم نسل (اسرائیلی) ہو۔ غرض یہ کرنا ہے کہ فوجی حکومت کا زمانہ ہے۔ مہذّب دنیا کے قواعد کے بموجب ایسے زمانے میں معمولی جرم پر بڑی سخت سے سخت عبرت انگیز سزا دی جاتی ہے۔ مگر جماعت یہود برملا اعتراف کرتی ہے کہ اس نے آپ کے قتل کے ارادہ سے کھانے میں زہر ملانے کی سازش کی۔ اس جرم کی کوئی ادنیٰ سزا بھی نہیں دی جاتی ہے البتہ جب اسی زہر کی بنا پر حضرت بشر بن برار کی وفات ہو جاتی ہے تو قصاص کے عام قانون کے مطابق زہر کھلانے والی ایک عورت کو سزا دی جاتی ہے۔

(۲) مدینہ طیّبہ میں آپ کی طبیعت ناساز ہو جاتی ہے اور یہ ناسازئ مزاج مسلسل رہتی ہے۔ پھر آپ کو الہامی طور پر بتا دیا جاتا ہے کہ" لبید بن اعصم" یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے:

کنگھی سے جڑے ہوئے سر کے بال، کھجور کے پھول کی کلی، کچے دھاگے وغیرہ پر جادو کے منتر پڑھے گئے ہیں اور یہ چیزیں فلاں باغ کے پرانے کنوئیں کی من کے ایک سوراخ (طاق) میں رکھی ہوئی ہیں۔

آپ وہاں پر پہنچتے ہیں، یہ چیزیں وہاں سے نکلوا کر پھکواتے ہیں۔
پھر اُس پرانے کنوئیں کو بند کرا دیتے ہیں، واپسی پر حضرت عائشہ رضی سے
پُورا واقعہ بیان کرتے ہیں یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ باغ عجیب طرح کا ویران
اور وحشتناک ہے۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتی ہیں کہ آپ یہ جادو، جادو کرنے
والے پر لوٹوا دیتے۔

راقم الحروف کو اس موقعہ پر یہ عرض کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اس کا جواب دے سکتے تھے کہ جادو کرنا حرام ہے خواہ اقداماً ہو یا جواباً۔ مگر
آپؐ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ آپ نے فرمایا۔ عائشہ! خدا نے مجھے شفا
دیدی ہے، اب میں یہ درست نہیں سمجھتا کہ انتقامی کارروائی کر کے
شر پھیلاؤں۔ بخاری شریف ص۴۶۳

(۳) خیبر فتح ہونے کے بعد زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ حضرت
عبداللہ بن سہیل کو ایک مقام پر تنہا پاکر یہود نے بلا وجہ محض مسلمان ہونے
کی بنا پر شہید کر ڈالا۔ اُن کے وارثوں نے بارگاہِ رسالت میں دعویٰ دائر
کیا۔

مفتوح قوم فاتح جماعت کے کسی فرد پر ایسی دست درازی کرے

آج کے مہذّب دور میں یہ ایسا جرم ہے کہ پُوری آبادی توپ دم کی جا سکتی
ہے۔ توپ نہ ہو تو قتل عام، لوٹ مار اور آگ لگا دینا تو ہمارے مہذّب
جمہوری دور کا عام مذاق ہے۔

مگر یہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عدالت تھی جن کے بارے میں نریندر
صاحب فرماتے ہیں۔ "اُن کی باتوں پر کوئی کہاں تک عمل کرے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالتِ عالیہ نے مظلوم مقتول کے
وارثوں سے گواہ طلب فرمائے۔ یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ یہودیوں کے خاص
گڑھ "خیبر" میں خصوصاً اس مقام پر جہاں یہودیوں کا جتھا تھا یہودیوں کے
علاوہ کون قتل کر سکتا تھا مگر چشم دید گواہ کوئی نہیں تھا، وارثوں نے یہی
جواب دیا کہ قتل تنہائی میں کیا گیا ہے تو ہم چشم دید گواہ کس طرح پیش کر سکتے ہیں
البتہ یہ حقیقت ہے کہ قاتل یہودی ہی ہیں۔

اب صورت یہ تھی کہ جذبات مشتعل تھے، معاملہ بڑھنے والا تھا۔ آج کل کے
مذاق کے مطابق مسلمان قانون ہاتھ میں لیتے اور یہودیوں کے اس
پُورے علاقے کو خاکستر کر ڈالتے مگر انہیں کینہ پرور یہودیوں کے متعلق
عدالت عالیہ کا رحم یہ تھا کہ سرکاری طور پر تحقیقات کا حکم بھی نہیں

نہیں دیا گیا بلکہ خود اپنی جانب سے کوشش فرما کر وارثین مقتول کو اس پر آمادہ کر لیا کہ خوں بہا لے لیں اور دعوے سے دست بردار ہو جائیں - پھر آپ نے خوں بہا کی رقم خود اپنے پاس سے ادا کر دی۔

اس قسم کے واقعات تلاش کئے جائیں تو بے شمار نکل سکتے ہیں مگر ہم قلم برداشتہ سرسری جواب لکھ رہے ہیں کوئی تصنیف پیشِ نظر نہیں ہے اس لئے ان چند واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے باقی یہ کہ قتل غیر مسلم کے متعلق اسلام کے احکام کیا ہیں اس سلسلہ میں کچھ ضروری باتیں پیش کی جا رہی ہیں -

جان کی حفاظت

اسلام میں نہ ذات پات ہے نہ کالے گورے کا فرق - پوری نوعِ انسان ایک جسم ہے۔ ایک کا قتل سب کا قتل اور ایک جان کی حفاظت پوری نوعِ انسان کی حفاظت - یہ ہے وہ تصور جس کی تعلیم قرآن شریف نے دی ہے - ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ ۵ آیت ۳۱ - جس کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ کے الفاظ میں یہ ہے :-

"جس کسی نے سوا اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو - کسی جان کو قتل کر ڈالا تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچالی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی - آیت ۳۱ - سورہ مائدہ ۵

دنیا کی قوموں نے حفاظتِ جان کے متعلق جو قانون بھی وضع کئے ہیں اُن کو سامنے رکھو اور قرآنِ حکیم کے اس جامع قانون پر غور کرو - اس سے بہتر کوئی قانون ہو سکتا ہو تو پیش کرو - قرآن حکیم کا دعوے ہے کہ یہی جامع قانون یہود اور نصاریٰ (بنی اسرائیل) کو بھی دیا گیا تھا - یعنی بین الاقوامی چارٹر یہی ہونا چاہیئے - یہاں دھرم اور مذہب کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، جان کا سوال ہے، جان ہندو کی ہو یا مسلمان کی برہمن کی ہو یا کسی گھٹیا سے گھٹیا اچھوت کی - قرآن حکیم سب کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ہے اور ہر مسلمان پر لازم کرتا ہے کہ وہ یہی عقیدہ رکھے - اس عقیدہ میں سرمو فرق ہو تو قرآنِ پاک کی آیت سے انحراف ہے جو کفر ہے (معاذ اللہ)

سورۂ حجرات ۴۹ کی آیت ۱۳ کا ترجمہ ملاحظہ ہو :-

اے لوگو - ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور عورت سے اور تمہارے گوت اور قبیلے (خاندان) اس لئے رکھ دیئے کہ آپس میں پہچان ہو -

سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جس میں خوفِ خدا زیادہ ہو۔

سورۂ نساء کی پہلی آیت میں ترہ مادہ کی کثرت میں بھی وحدت پیدا کردی گئی ہے۔ ترجمہ یہ ہے :۔

اے لوگو! اپنے پروردگار کا ادب کرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اسی ایک جان سے اس کا ایک جوڑا بنایا، پھر اس جوڑے کے دو فرد سے کثیر تعداد میں مرد اور عورتیں پھیلادیں

شیراز کے مشہور استادِ سخن حضرت شیخ سعدی نے انھیں آیتوں کی تفسیر اپنے ان اشعار میں کی ہے ؎

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند   کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار   دگر عضوہا را نماند قرار

(ترجمہ) آدم کی تمام اولاد آپس میں ایک دوسرے کا عضو ہیں (پوری نوعِ انسان ایک بدن ہے) کیونکہ ان سب کی پیدائش ایک ہی جوڑے سے ہوئی ہے) اگر زمانہ کسی ایک عضو میں درد پیدا کر دیتا ہے تو دوسرے اعضاء کو بھی چین اور قرار باقی نہیں رہتا

اس مقدس تعلیم کو سامنے رکھو۔ پھر تریتار صاحب کا یہ فقرہ پڑھو۔ ہر ایک

ہر ایک صحیح الذوق کو قے آسکے گی۔

سوال اصول کا ہے۔ اگر ایک شخص یا ایک قوم کا قتل اس بنا پر جائز ہے کہ قرآن شریف میں اس کی اجازت دی گئی ہے تو قدرتی طور پر ان سب لوگوں اور قوموں کے لئے بھی دنیا میں کوئی جگہ نہیں جن کے دھرم اور سیاسیات مسلمانوں سے الگ ہیں۔

اس طرح کی غلط اور بے بنیاد بات وہی لکھ سکتا ہے جو قرآن سے قطعاً ناآشنا اور ناواقف ہو یا جس کی نیت خراب ہو اور اصول پرستی کے نام پر قرآن شریف کو بدنام اور قرآن کے ماننے والوں کے خلاف اشتعال پھیلانا چاہتا ہو۔

دینِ فطرت اور جہاد یہ بات قطعاً صحیح ہے کہ اسلام "دینِ فطرت" ہے یعنی فطرت انسان کو اسلام مفلوج اور معطل نہیں کرتا، نہ اس کو نظر انداز کرتا ہے بلکہ اس پر پوری نظر رکھتا ہے، اس کے تقاضوں کو جانچتا ہے۔ تولتا ہے۔ پھر ان کو پورا کرتا ہے۔ البتہ ایسی حدود مقرر کر دیتا ہے جن سے فطرت اپنی اصلیت پر قائم رہ سکے نہ اس میں بگاڑ پیدا ہو اور نہ وہ مسخ ہو۔ جذبۂ ترقی فطری جذبہ ہے وہی قوم قابلِ قدر

اور زندہ کہلانے کی مستحق ہے۔ جس میں ترقی کرنے کا جذبہ ہو۔ جس قوم یا فرد میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ نہ ہو اُس کو مُردہ یا بیمار سمجھا جاتا ہے لیکن ہمارے پڑوسی چین نے ترقی کے معنی یہ سمجھے کہ ہندوستان کے علاقوں پر قبضہ کر لے۔ اب ہندوستان کو کیا کرنا چاہیئے اس طرح کے غلط کار اور ٹیڑھی چال والی طاقتوں کے مقابلہ میں اپنی ترقی اور اپنے بقاء و تحفظ کے لئے جو کچھ کیا جائے گا اسی کا نام جہاد ہے جس کے متعلق نرنید ر صاحب فرماتے ہیں :۔

"حق تو یہ ہے کہ اسلامی شبد جہاد کا
نعم البدل ہندو دھرم میں کہیں نہیں"

مگر یہ ہندو دھرم کی تعریف ہے یا اس کی تنقیص یعنی نرنیدر صاحب نے ہندو دھرم کا کمال ظاہر کیا ہے یا یہ تسلیم کیا ہے کہ ہندو دھرم وقت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم ایک موقع پر یہ بتاتا ہے کہ بین الاقوامی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے "جنگ" فطرت انسانی کا جذبہ راسخ اور وقت کا سب سے ضروری تقاضا کیوں بن جاتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۰ کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے الفاظ میں

یہ ہے :۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا رہتا تو دنیا خراب ہو جاتی (اور امن اور انصاف کا نام و نشان باقی نہ رہتا) لیکن اللہ تعالےٰ دنیا کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے اور یہ اُس کا فضل ہے کہ کوئی ایک گروہ سدا ایک ہی حالت میں نہیں چھوڑ دیا جاتا بلکہ ہمیشہ منازعت جاری رہتی ہے۔ (ترجمان القرآن)

اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

اگر قوموں اور جماعتوں کی باہمی کشمکش اور مدافعت نہ ہوتی اور ہر جماعت اپنی اپنی حالت پر بغیر منازعت چھوڑ دی جاتی تو نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا ظلم اور تشدد سے بھر جاتی۔ حق اور عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ پس یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ جب ایک گروہ ظلم اور فساد میں چھوٹ ہو جاتا ہے تو مزاحمت کے محرکات دوسرے گروہ کو مدافعت کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں اور ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مقاومت سے دفع ہو جاتا ہے

خدا کو قدرت تھی کہ طبیعت بشری ایسی بنا دیتا کہ اس میں خلاف
اور نزاع کا مادہ ہی نہ ہوتا اور زندگی کی کسی ایک ہی حالت پر
مجبور کر دیا جاتا۔ لیکن قدرت الٰہی کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان
کو مجبور و مضطر اور لاچار نہ بنائے اور ہر راہ میں چلنے کی قدرت
دیدے۔ پس کتنے ہی ہیں جو ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں اور کتنے
ہی ہیں جو گمراہی کو اختیار کرتے ہیں۔ (ترجمان القرآن ج ۱)

نریندر صاحب فرماتے ہیں:۔

کیا گارنٹی ہے کہ آپ ہی جو کچھ سوچتے ہیں وہ درست ہے۔ کون
دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ اس کے سوچنے کے ڈھنگ میں کبھی
کوئی خامی نہیں ہو سکتی اور کون سا انسان ہے جو یہ دعوے
کر سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے درست ہے۔

نریندر صاحب کا منشا یہ ہے کہ انسان کو رائے اور ضمیر کی آزادی
ہونی چاہیئے۔ ہر شخص کو حق ہونا چاہیئے کہ وہ جس کو صحیح سمجھتا ہے اس پر عمل
کرے۔ یہ نہ ہونا چاہیئے کہ دوسروں کو اپنی رائے ماننے پر مجبور کیا جائے
اور اپنی بات کسی کے دماغ میں زبردستی ٹھونسی جائے۔ لیکن اسرائیل نے

اس وقت بیت المقدس اور یروشلم پر جس طرح قبضہ کر لیا ہے اس نے عجیب
صورت حال پیدا کر دی ہے۔ اس چھوٹے سے علاقے میں یہ خصوصیت ہے
کہ یہاں تین مذہبوں کے مرکزی عبادت خانے ہیں۔ عیسائیوں کا قبلہ یہیں
ہے۔ یہودیوں کا قبلہ یہیں ہے ابتداً میں مسلمانوں کا قبلہ بھی یہی تھا۔ پھر اگرچہ
یہ قبلہ نہیں رہا مگر مسجد اقصیٰ ان کے عقیدے کے لحاظ سے واجب الاحترام
ہے۔ اس علاقہ پر اگرچہ مسلمانوں کا قبضہ تھا مگر دنیا شاہد ہے کہ ہر فریق کو آزادی
تھی کہ وہ اپنے قاعدے اور عقیدے کے بموجب وہاں عبادت کرے۔
دنیا اس کی بھی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے کسی کی آزادی سلب نہیں کی۔
بلکہ غیروں کے حقوق کو اپنے حقوق سے مقدم رکھا لیکن اسرائیل کے وزیر اعظم
کے جو اعلانات آ رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس علاقہ کو صرف
یہود کے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہے اور عیسائیوں اور مسلمانوں کو یہاں سے
قطعاً محروم یا ان کو زیادہ سے زیادہ مجبور اور مقہور رکھنا چاہتا ہے۔

اب نریندر صاحب فرمائیں کہ اگر اسرائیل یہ جبر و قہر کرتا ہے تو مسلمان
اور عیسائیوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ مسلمان اور عیسائی اپنے حقوق کی بحالی کے لئے
جو کچھ کریں گے اسی کا نام جہاد ہے۔ قرآن حکیم نے جہاد کی یہی حکمت اور مصلحت

بیان کی ہے اور ایسی ہی صورتوں میں جہاد کی اجازت دی ہے۔
سورۂ حج ۲۲ کی آیت ۴۰ کا ترجمہ مولانا آزاد کے الفاظ میں یہ ہے

دیکھو اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا (اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم و تشدد کرنے کے لئے بے روک چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی خانقاہیں۔ گرجے۔ عبادت گاہیں مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کے سب ڈھائے جا چکے ہوتے۔ یاد رکھو جو کوئی اللہ کی (سچائی) کی حمایت کرے گا۔ ضروری ہے کہ اللہ بھی اس کی مدد فرمائے۔ کچھ شبہ نہیں۔ وہ یقیناً قوت رکھنے والا اور سب پر غالب ہے۔ (ترجمان القرآن)

اس کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا آزاد فرماتے ہیں (رحمہ اللہ)

"یہ مظلوموں کا قدرتی حق ہے اگر وہ اس حق سے محروم کر دیئے جائیں تو دنیا میں انسانی ظلم و استبداد کی مدافعت کا کوئی سامان باقی نہ رہے جس گروہ کی بن پڑے دوسرے گروہ کے اعتقاد و

عمل کی آزادی ہمیشہ کے لئے پامال کر دے۔ اگر یہ سلسلہ مدافعت نہ ہوتا تو دنیا میں خدا پرستی کا خاتمہ ہو جاتا کسی گروہ کی عبادت گاہ انسانی ظلم و استبداد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہتی۔" (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۵۱۱)

اب ایک اور مثال لیجئے۔ نریندر صاحب کو ہم سے زیادہ معلوم ہوگا کہ چین میں کلچرل انقلاب برپا کیا جا رہا ہے یعنی ایک جماعت اپنی قوت کے بل بوتے پر صرف ایک کلچر کو جاری کرنا چاہتی ہے۔ باقی تمام کلچروں کو ختم کر دینا چاہتی ہے یعنی ضمیر اور رائے کی آزادی کا بجبر خاتمہ کیا جا رہا ہے اور انسانیت کے گلے پر چھری چلائی جا رہی ہے۔ مسجدیں۔ گرجا گھر اور اگر وہاں مندر ہونگے تو مندر سب ختم کئے جا رہے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں انسان ہوں گے جو اس ظلم کا شکار ہو رہے ہیں سوال یہ ہے کہ ان مظلوم اور بے بس انسانوں کی اتنی مدد کرنا کہ ان کو رائے کی آزادی حاصل ہو جائے۔ آپ کا اور ہمارا انسانی فرض ہے یا نہیں۔

اب بین الاقوامی قانون یہ ہو گیا ہے کہ کوئی ملک کسی دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ جو آزاد انسان مظلوموں کی مدد کر سکتے ہیں وہ مدد نہیں کر سکتے۔ انسانیت کا خون ہوتا

رہے ۔ضمیر کو کچلا جاتا رہے۔ آپ میں طاقت ہو کہ آپ اس ظلم کو ختم کر دیں ۔ مظلوموں کے گلے سے جبر و قہر کا پھندا نکال دیں۔ مگر اس بین الاقوامی قانون کی رو سے آپ خاموش ہیں۔

ٹک ٹک دیدم ۔ دم نہ کشیدم

آپ نے فرمادیا۔ اسلامی شدید جہاد کا نعم البدل ہندو دھرم میں کہیں نہیں مگر اسلام اس خاموشی کو برداشت نہیں کرتا۔ اگر چین کے مظلوم بھی جسمِ انسانیت کا (انگ اور) عضو ہیں تو لازمی بات ہے کہ چین کے مظلوموں کا درد ہمارا درد ہو۔ یہ وہ مقام ہے کہ اسلام مسلمانوں پر مظلوموں کی امداد لازم کرتا ہے ۔ وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اُن میں اتنی طاقت ہونی چاہیئے کہ وہ ایسے مظلوموں کی امداد کر سکیں ۔ ایسے موقعوں پر مظلوموں کی گلو خلاصی کو اسلام "قتال فی سبیل اللہ" اور "راہِ خدا میں جنگ" قرار دیتا ہے اور اہل ایمان کو جھنجوڑتا ہے :۔

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے ۔حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد ہیں ۔کتنی ہی بے بس عورتیں اور کتنے ہی بچے ہیں (جو ظالموں کے ظلم سے عاجز آکر فریاد کر رہے ہیں ۔خدایا ہمیں اس بستی سے جہاں کے باشندوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے نجات دلا۔

اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے اور کسی کو مددگاری کے لئے کھڑا کر دے ۔

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے (کیونکہ وہ نفسانی خواہشوں کے لئے نہیں لڑتے حق و انصاف کی حمایت میں لڑتے ہیں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں (شر و فساد کی شیطانی طاقتوں کی راہ میں لڑتے ہیں) سو (اگر تم ایمان رکھتے ہو ۔ تو چاہیئے) کہ شیطان کے حمایتیوں سے لڑو (اور اُن کی طاقت اور کثرت کی پرواہ نہ کرو) شیطان کا مکر دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی دے لیکن حق کے مقابلہ میں) کبھی جمنے والا نہیں ۔

(سورۂ نساء ۵ آیت ۷۴ ، ۷۵ ۔ ترجمان القرآن از مولانا آزاد ۳۴۹)

قرآن حکیم اس طرح کے جبر و قہر کو جو انسانوں کی آزاد رائے کو اپنا پابند بنا لے ،فتنہ قرار دیتا ہے اور جہاد کی غرض و غایت یہ بیان کرتا ہے ۔

یہاں تک جنگ جاری رکھو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین و دھرم کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہو جائے یعنی دین کا معاملہ خدا اور انسان کا

باہمی معاملہ ہو جائے کسی قوم کا ظلم اس میں مداخلت نہ کر سکے۔

(سورۂ انفال ۸ آیت ۳۸) (ترجمان القرآن ازمولانا آزاد ج ۲ ص ۹۱)

(نیز سورۂ بقرہ ۲ کی آیت ۱۹۳)

قریش کے وہ سردار جن کے سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ان کا فتنہ کیا تھا یہی تھا کہ جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے ہیں اس کو حق نہ سمجھیں جو یہ کہتے ہیں اسے حق سمجھیں اور اپنے ضمیر کی آواز کو ان کے اشاروں پر قربان کرتے رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

کان الاسلام قلیلا فکان الرجل یفتن فی دینہ اما قتلوہ واما یعذبوہ - (بخاری شریف ص ۶۴۸)

(ترجمہ :- اسلام قلت میں تھا - ایک شخص دین کے بارے میں اس طرح فتنہ میں ڈالا جاتا تھا کہ قریش کے ظالم اس کو قتل کر ڈالتے تھے یا اس کو سخت سخت سزائیں دیتے تھے -

ہندو دھرم کا یہ عقیدہ بہت ہی پیارا ہے جو تر بیدر صاحب نے بیان فرمایا کہ

ہندو دھرم میں ہر انسان کو پرماتما کا پتر مانا گیا ہے - نہ ہندو دھرم اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی کو کسی پرکار کے اختلاف رائے پر جا کر قتل کر دے -

مگر نہایت ادب سے گذارش یہ ہے کہ

(۱) چین کے وہ مظلوم جو سرخ فوج کے مظالم کا شکار ہیں کیا وہ بھی پرماتما کے پتر ہیں -

(۲) بیشک اختلاف رائے پر قتل کر دینا سراسر ظلم بلکہ درندگی ہے لیکن اگر کچھ درندہ صفت ایسے ہوں کہ اختلاف رائے کی بنا پر قتل کریں تو کیا پرماتما ان کو بھی اپنا پتر قرار دے گا اور کیا دنیا کے انصاف پسند حق پرستوں پر لازم ہوگا کہ ان پتروں کی ناز برداری کرتے رہیں -

دوسری گذارش یہ ہے کہ اچھا ہوتا کہ آپ مسلمانوں کو مستثنےٰ کر دیتے اور یہ فرماتے کہ ہندو دھرم میں مسلمانوں کے سوا ہر انسان کو پرماتما کا پتر مانا گیا ہے -

لڑائی کن سے ہو سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۹ کا ترجمہ یہ ہے -

لڑو خدا میں جنگ ان سے کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو

یہ جہاد کا بنیادی اصول ہے۔ لہٰذا عام آبادی اگر جنگ میں حصہ نہیں لے رہی ہے تو اس کو ہرگز تباہ نہیں کیا جائے گا۔ غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ شہید کئے گئے پھر دشمنوں نے ان کے ناک کان کاٹے پیٹ چاک کیا۔ جگر نکالا۔ دشمنوں کے سردار (ابوسفیان) کی بیوی (ہندہ) نے جگر چبایا۔ اور شہیدوں کے بھی ناک کان کاٹے گئے۔ دشمنوں کی درندگی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ دشمن کی عورتوں نے شہیدوں کی کٹی ہوئی ناکوں اور کانوں کے ہار بنائے ان کو گلے میں پہنا اور میدان میں گاتی ہوئی گھومیں وغیرہ وغیرہ۔

اس کا جواب کیا دیا گیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستور العمل بنا لیا کہ جب کوئی لشکر یا کوئی دستہ کسی مہم پر بھیجا جاتا تو خاص طور سے ہدایت کر دی جاتی۔

کسی کے ناک کان نہ کاٹے جائیں۔ کسی کی آنکھیں نہ نکالی جائیں کسی عورت کو قتل نہ کیا جائے۔ کسی بڈھے یا کسی بچہ کو قتل نہ کیا جائے راہبوں اور سادھوؤں کو جو اپنے عبادت خانوں میں مصروف عبادت ہیں۔ پریشان نہ کیا جائے۔

صرف ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ زیادتی نہ کرو۔

(قرآن شریف۔ سورۂ بقرہ)

امن اور آشتی کی اہمیت اور صلح کرنے کا حکم

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ میں ایک تقریر میں فرمایا تھا۔

ایھا النّاس لاتتمنّوا لقاء العدو واسئلوا اللہ العافیۃ فاذا لقیتموھم فاصبروا۔ واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف (بخاری شریف ص۴۲۴)

اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی آرزو مت کرو۔ (جیسے من چلے جوان کیا کرتے ہیں) اللہ سے امن اور عافیت کی دعا کرتے رہو پھر جب مقابلہ ہو ہی جائے تو جم کر مقابلہ کرو، اور یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ (بخاری شریف ص۴۲۳)

۲۔ قرآن حکیم نے ایک طرف یہ ضابطہ بنایا:۔

الصلح خیر (سورہ نساء پ۴ آیت ۱۲۸) صلح بہرحال بہت اچھی بات ہے۔

۳۔ دوسری طرف یہ ہدایت بھی فرما دی کہ مستقبل کے خدشات سے بالاتر ہو کر اس نعمت کو حاصل کرو۔ سورۂ انفال پ۱۰ کی آیت ۶۱ کا ترجمہ یہ ہے

اگر دشمن تمہاری طرف جھکیں تو تم بھی ان کی طرف جھک جاؤ۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

۴۔ اس سے زیادہ صلح و آشتی کا دلدادہ کون ہو سکتا ہے جو گری ہوئی شرطوں پر صلح کو بھی فتح قرار دے۔ نہ صرف فتح بلکہ "فتح مبین" "کھلی فتح"۔

سیرۃ مقدسہ کا مشہور واقعہ ہے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقِ مقابل کی ایسی شرطیں منظور کر لی تھیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے سنجیدہ اور باسلیقہ مدبر سے بھی وہ شرطیں برداشت نہ ہو سکیں اور بارگاہِ رسالت میں حد درجہ مودب ہونے کے باوجود عرض کر دیا کہ "جب کہ ہم حق پر ہیں تو یہ گری ہوئی شرطیں ہم کیوں منظور کریں"۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی خاطر ان شرطوں کو منظور فرمایا اور قرآن حکیم نے ان کو نہ صرف فتح بلکہ فتح مبین قرار دیا۔ بخاری شریف ص ۳

پناہ دینے کے لئے حوصلہ کی فراخی

لوگ عام طور پر سورۂ توبہ کی وہ آیت پیش کر دیتے ہیں جو دورانِ جنگ میں جنگجو اور لڑاکو دشمنوں کے لئے ہے۔ "جہاں پاؤ ان کو قتل کرو جہاں کہیں ملیں ان کو گرفتار کر لو۔ ان کا محاصرہ کر لو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو (آیت ۴)

لیکن اس کے بعد کی۔ اس سے ملی ہوئی۔ دوسری آیت ۵ کو اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں گویا وہ قرآن میں ہے ہی نہیں۔

آیت ۵ کا ترجمہ یہ ہے۔

(اے پیغمبر) اگر مشرکین میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو (یہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے) یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے امن کے ساتھ اس کے ٹھکانے پر پہنچا دو۔ یہ بات اس لئے ضروری ہوئی کہ یہ لوگ (دعوتِ حق کی حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔

(سورہ توبہ ۹ آیت ۵ ترجمان القرآن از مولانا آزاد)

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ آیت میں صرف یہ حکم ہے کہ اللہ کا حکم سنا دو یہ نہیں ہے کہ اس کو مسلمان بنا لو۔ ایک مسلمان کا یہ کام ضرور ہوگا کہ اسے اسلام کی حقیقت سمجھا دے۔ اب وہ قطعاً آزاد ہے کہ مسلمان ہو یا مسلمان نہ ہو جب امان دیدیا تو وہ محفوظ ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس کو ایسی جگہ پہنچا دیا جائے جو اس کے امن اور اطمینان کی جگہ ہو۔ عرب کے مشہور سردار حاتم طائی کی بیٹی گرفتار ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی تعمیل

کرتے ہوئے اُن کو حفاظت اور عزت کے ساتھ اُن کے قبیلہ میں پہونچا دیا۔
جب وہ اپنے قبیلہ میں اطمینان کے ساتھ پہونچ گئیں تب وہ اپنی مرضی سے
مسلمان ہوئیں اور اپنے بھائی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں آئیں۔ آیت میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے
مگر یہ حکم آپ کے لئے ہے وہی تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ آیت میں امان دینے کو
لازم کیا گیا ہے۔ امان دینا لازم ہے۔ پھر امان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ فوج کا
کمانڈر یا فوج کا کوئی افسر ہی امان دے بلکہ کوئی بھی مسلمان مرد ہو یا عورت
بڑا ہو یا چھوٹا ــــ اگر امان دے گا تو وہ مامون ہو جائے گا اور ہر مسلمان
اس کے امن اور تحفظ کا ذمّہ دار ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب مسلّمہ قانون یہ ہے۔
ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃٌ یسعیٰ بھا ادناھم۔ مسلمانوں کا عہد کر لینا
یا پناہ دینا ایک ہی ہے۔ ایک کا پناہ دینا سب کی طرف سے اور ایک کا معاہدہ
کر لینا سب کا معاہدہ مانا جائے گا۔ سب سے کم درجہ کا مسلمان بھی پناہ دے
سکتا ہے۔ ہر مسلمان پر اس کا احترام کرنا واجب ہوگا۔ جو کوئی بھی اس میں
رخنہ ڈالے گا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت۔ اس کے تمام کام رد

نہ اس کا فرض قبول ہوگا۔ نہ اس کی نفلیں قبول ہوں گی۔ (بخاری شریف ۵۴)
پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی پروانہ لکھا جائے
انتہا یہ کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ امن دینے والا امن دینے کا ارادہ کرے ارادہ
یا بلا ارادہ کوئی بھی لفظ ایسا نکل جائے جس کو یہ جنگجو دشمن کی فوج کا شخص امن
سمجھ لے تو وہ امن ہو جائے گا اور اب اس کا قتل کرنا حرام ہو جائے گا ـــ
اس سلسلہ میں شبہ کا فائدہ بھی مغلوب و مفتوح دشمن ہی کو ملے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایران کا مشہور
جرنیل اور راجہ "ہرمزان" جب حضرت عمر فاروق کی خدمت میں پہونچا تو اگرچہ
وہ بڑی شان و شوکت کا شاہانہ لباس پہنے ہوئے تھا اور حضرت عمر
فاروق فرشِ زمین پر اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ہرمزان کو پوچھنا پڑا کہ
امیر المؤمنین عمر کون ہیں؟ مگر جب خود حضرت عمر فاروق رضؓ نے کچھ سوالات کئے
تو ہرمزان گھبرا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کی زبان سے بلا ارادہ یہ لفظ نکل گیا
تکلّم لا باس (بات کرو گھبراؤ مت) چونکہ ہرمزان متعدد بار عہد شکنی
کر کے مسلمان افسروں کو قتل کر چکا تھا تو حضرت عمر فاروق اس کے قتل کا فیصلہ
کر چکے تھے لیکن ہرمزان نے حضرت عمر رضؓ کے ان الفاظ سے فائدہ اٹھایا اور جیسے ہی

اسے احساس ہوا کہ قتل کا حکم صادر ہونے والا ہے اس نے اپیل کر دیا کہ آپ مجھے امن دے چکے ہیں اب قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے ان الفاظ کا خیال بھی نہیں تھا جو بلا ارادہ زبان سے نکل گئے تھے مگر ہرمزان نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہادت میں پیش کر دیا کہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔

ایک شخص کی شہادت اسلامی قانونِ شہادت کے بموجب ناکافی ہوتی ہے اس سے کوئی دعوےٰ ثابت نہیں کیا جا سکتا مگر معاملہ امن دینے اور ایک انسان کی جان بخشی کا تھا۔ حضرت عمر فاروق کی یہ رحمدلی تھی کہ آپ نے قانونی بحث سے بالا ہو کر صرف ایک شہادت پر اعتماد کیا اور ہرمزان کو مامون قرار دے دیا۔ پھر ان پر اتنی مہربانی فرمائی کہ دو ہزار سالانہ ان کا منصب مقرر فرما دیا۔ (بخاری شریف ص و فتح الباری ج ص)

اسی طرح ایک ملزم نے پانی مانگا۔ جب پانی آگیا تو اس نے کہا مجھے اتنا امن دیا جائے کہ میں یہ پانی پی لوں۔ جب اس کو اجازت دے دی گئی تو اس نے پانی پھینک دیا اور کہہ دیا کہ میں "مامون" ہوں۔ اب مجھے قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مجھے جس پانی کے پینے تک پناہ ملی تھی جب تک میں وہ پانی نہ پی لوں پناہ

میں ہوں۔ اس پانی کا پینا اب ناممکن ہو گیا تھا لہٰذا اس کی عارضی پناہ دوامی کر دی گئی اور اس کو مامون تسلیم کر لیا گیا۔ اس قسم کے واقعات لاتعداد ہیں اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروق کے ایک سرکلر کا یہ فقرہ قانون بن گیا ہے

اذا قال مترس . فقد امنه ان الله يعلم الالسنة كلها (بخاری شریف ص)

یعنی امن دینے کے موقع پر عربی زبان کے الفاظ کی تخصیص نہیں ہے اگر کوئی عربی بولنے والا یا کوئی غیر عرب کسی زبان میں بھی ایسا لفظ بول دے جس کا مفاد امن دینا سمجھا جائے۔ مثلاً فارسی زبان کا لفظ "مترس" بول دے تو یہ امن ہو گیا اللہ تعالےٰ سب زبانیں جانتا ہے۔ (بخاری شریف ص)

معاہدہ کی پابندی — قولِ مرداں جانے دارد

سیاسی دنیا کی ہوشیار قومیں معاہدہ کو صرف کمزوری کے وقت کا چارۂ کار سمجھتی ہیں ان کی نظر صرف فریقِ مخالف پر رہتی ہے۔ اسی کے سامنے وہ اپنے آپ کو جواب دہ سمجھتی ہیں۔ اگر فریقِ مخالف میں بازپرس اور جواب طلب کرنے کی طاقت نہیں ہے تو معاہدہ کی پابندی کو سیاسی دیوالیہ پن اور حماقت سمجھا جاتا ہے مگر قرآنِ حکیم معاہدہ کو ایک حقیقت قرار دیتا ہے۔

۱۔ معاہدہ کرنے والا فریق اقتدارِ مسلم کے ماتحت ہو یا مستقل طاقت، وہ کمزور ہو یا قوی۔ بلا کسی استثناء کے ہر حالت میں قرآنِ پاک کا حکم یہ ہے:۔

"اے ایمان والو پورا کرو عہدوں" کو۔ سورۂ مائدہ ۵ آیت ۱

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت یہ ہے کہ ایسی بات کہو جس کو پورا نہ کرو۔ سورہ صف ۶۱ آیت ۳

۲۔ عہد کی خلاف ورزی کا نام غدر ہے۔ اور غدر حرام ہے۔ خواہ مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے۔ کمزور سے ہو یا طاقتور سے۔

۳۔ قرآن حکیم تنبیہ کرتا ہے کہ معاہدہ کی جواب دہی صرف فریقِ ثانی کے سامنے ہی نہیں کرنی بلکہ فریقِ مخالف اگر ماتحت یا کمزور ہے، وہ جواب طلب نہیں کر سکتا تو جواب طلب کرنے والا خدا ہے اس کی بارگاہ میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۳۴

۴۔ مجاہدین کی روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خاص ہدایتیں فرماتے تھے ان میں یہ ہدایتیں بھی ہوتی تھیں۔

خیانت نہ کرنا۔ کسی عہد کی خلاف ورزی نہ کرنا کسی کے ناک کان نہ کاٹنا بچوں کو، عورتوں کو۔ دشمن کی فوج میں کام کرنے والے مزدوروں کو قتل

نہ کرنا۔ (مشکوٰۃ شریف باب القتال فی الجہاد فصل ثانی)

۵۔ اس ہدایت کے ساتھ عملی مثال یہ ہے کہ حضرت ابو رافع اسلام لانے سے پہلے قریش کی طرف سے کوئی پیغام لے کر آئے۔ انھوں نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا اس وقت جیسے ہی چہرۂ انور پر نظر پڑی آپ کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اب میں واپس نہیں جاؤں گا۔ یہ میں نے طے کر لیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔ ارشاد ہوا۔

انی لا اخیس بالعہد ولا احبس البرد "میں نہ تو معاہدہ کی کسی قسم کی خلاف ورزی گوارا کرتا ہوں اور نہ سفیروں کو روک لینا جائز سمجھتا ہوں اس وقت تو آپ واپس جائیے پھر جو بات آپ کے دل میں اب پیدا ہوئی ہے وہی پھر بھی باقی رہے تو واپس تشریف لائیے۔ چنانچہ یہ اس وقت واپس گئے اور دوبارہ مکہ سے آکر مسلمان ہو گئے۔

(ابوداؤد شریف۔ باب فی الامام یستجن بہ فی العہود)

۶۔ اس سے بھی زیادہ سبق آموز غزوۂ بدر کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ پورا کرنا ضروری سمجھا اور ایفاءِ وعدہ کے مقابلہ پر

اضافہ قوت کو گوارا نہیں کیا۔

جنگ بدر مسلمانوں کی سب سے پہلی جنگ تھی جو قریش سے ہوئی تھی مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے۔ نہایت شکستہ حال تھے کہ اسلحہ بھی پورے نہیں تھے۔ دشمن کی طاقت تین گنی اور ہر طرح کے اسلحہ اور سامان جنگ سے لیس تھی۔ اس نازک موقع پر مسلمانوں کی تعداد میں ایک دو کا اضافہ بھی ایک طرح کی فتح تھی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ اور ان کے والد یمان (رضی اللہ عنہما) اس غرض سے چلے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد پہنچائیں اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کریں لیکن راستہ میں دشمن کے ہاتھ پڑ گئے اور اس وقت تک رہائی نہ پا سکے جب تک یہ بیان نہیں دے دیا کہ ہم مدینہ جا رہے ہیں۔ لڑائی میں شریک ہونے کے لئے نہیں جا رہے۔ ان حضرات نے اس بیان کو وقتی مصلحت سمجھا اور لڑائی میں شریک ہونے کے لئے میدان میں پہنچ گئے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں صاحب وعدہ کر کے آئے ہیں تو آپ کا فیصلہ یہ تھا کہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (مسلم شریف باب الوفاء بالعہد ج-۲)

اس طرح کی عملی مثالوں کے ساتھ پیغمبرانہ تنبیہ اور وعید یہ ہے —

من قتل معاهدًا في غير كنهه حرم الله عليه الجنة

(ابوداؤد شریف باب فی الوفاء للمعاہد)

ترجمہ: "جو شخص کسی معاہد کو ناحق قتل کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔"

یعنی جس طرح مسلمان کے قتل ناحق پر دوامی عذاب ہے وہ شخص بھی جنت سے محروم رہے گا جو کسی معاہد کو ناحق قتل کر دے۔

جب پابندئ عہد کی یہ تاکید اور اہمیت ہے تو کسی معاہد کو قتل کرنے کا تصور تو کسی مسلمان کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا۔ البتہ یہ سوال سامنے آ سکتا ہے کہ اگر دشمن بدعہدی کر کے ان مسلمانوں کو شہید کر دے جو اس کی پناہ میں ہوں تو آیا ہم بھی دشمن کے ہم مذہب لوگوں کو جو مسلمانوں کی پناہ میں ہیں قتل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ قطعاً حرام ہے۔ ظلم اور بربریت ہے نہ سرکاری حیثیت میں جائز ہے نہ عوامی حیثیت میں۔ عوامی حیثیت میں اس قسم کی خونریزی اور فتنہ انگیزی بلوہ اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں "فساد فی الارض" ہے اسلامی تعلیمات میں کسی بھی فساد فی الارض کیلئے جواز تو درکنار حیلہ تلاش کرنا بھی اسلام پر ظلم ہے۔

اسلام کے مزاج سے جو معمولی واقفیت بھی رکھتا ہے اس کے لئے یہ تصور ہی لرزہ خیز اور نفرت انگیز ہے کہ کسی پُر امن ۔ بے قصور شہری کو اس بنا پر قتل کر دیا جائے کہ اس کے کسی ہم مذہب نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ وہ شہری آپ کا ہم وطن ہو۔ سیاسی۔ اقتصادی اور کاروباری اور وہ تعلقات جو کسی بستی کے رہنے والے انسانوں کے آپس میں ہوا کرتے ہیں وہ اس سے وابستہ ہوں۔ آپ اس کو صرف اس لئے قتل کر دیں کہ اس کے ہم مذہب لوگوں نے کسی جگہ آپ کے ہم مذہب لوگوں کو قتل کیا ہے یا تباہ کیا ہے۔ معاذ اللہ! اس وحشت و بربریت کے جواز کی کوئی دلیل وہی تلاش کر سکتا ہے جو انسانیت اور شرافت سے نا آشنا اور انسانی لباس میں درندہ ہو۔

جس قرآن کا اصول یہ ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی (ایک کا جرم دوسرے پر نہیں پڑتا) اور لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (ہر شخص کو اسی فعل کا اچھا یا برا نتیجہ ملتا ہے جو خود اس نے کیا ہو۔)

جو قرآنِ حکیم دشمن کے معاملہ میں بھی انصاف کو لازم قرار دیتا ہے خواہ وہ شخصی دشمن ہو یا قومی و ملی دشمن ۔ سورۂ مائدہ آیت ۸ خواہ ایسا دشمن ہو جس نے آپ کو مذہبی فرائض سے روکا ہو۔ سورۂ مائدہ ۔ آیت ۲

خواہ اس انصاف کی بات سے خود آپ کو یا آپ کے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو نقصان پہونچتا ہو۔ سورہ نساء آیت ۱۳۴

جو اسلام انہیں اصول کی بنا پر جائز نہیں قرار دیتا کہ باپ کا بدلہ بیٹے سے یا بھائی کا بدلہ بھائی سے لیا جائے وہ کیسے جائز قرار دے سکتا ہے کہ غیر معروف اجنبی کا بدلہ اپنے ہم وطن شہری سے لیا جائے۔ اس کے ماننے والوں کیلئے اس قسم کا سوال پیدا ہونا ہی شرمناک اور تکلیف دہ ہے۔

سرکاری حیثیت

یہ مسلم عوام کے فرائض ہیں جو ان پر اللہ تعالےٰ نے لازم کئے ہیں ۔ رہی سرکاری حیثیت تو جو حکومت اپنا تعلق اسلام سے جوڑتی ہے اس کے لئے کتبِ فقہ (اسلامی قانون) کی تصریحات یہ ہیں :-

عَلَى المسلمين القيام بدفع الظلم عن اهل الذّمّة كما عليهم ذلك فى حق المسلمين (المبسوط للسرخسى ص۸۵ ج۱۰)

(ترجمہ) جو غیر مسلم مسلمانوں کی ذمہ داری میں ہیں (جن کو ذمی کہا جاتا ہے) اُن پر کوئی ظلم ہونے لگے تو اس کی مدافعت ایسی ہی لازم ہے جیسے خود مسلمانوں پر کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت ضروری ہے

یہ تصریح ان غیر مسلموں کے متعلق ہے جو ملک کے باشندے اور اسلامی

حکومت کے شہری ہیں۔ اگر شہری نہیں، پاسپورٹ یا کوئی پروانہ لے کر آئے ہیں جن کو اصطلاحِ فقہ میں مستامن کہا جاتا ہے ان کے متعلق تصریح یہ ہے۔

دفع الظلم عن المستامنین علی الوجه الذی ندفع به عن المسلمین واهل الذمة (شرح سیر الکبیر ص۲۶ ج۴)

مستامن پر کوئی ظلم ہو تو جس طرح مسلمانوں اور اپنے ملک کے غیر مسلم باشندوں سے ظلم کی مدافعت کی جاتی ہے ان سے بھی کی جائے گی (یعنی مسلمانوں اور غیر مسلم باشندگان کی جان و مال کی حفاظت کا جو قانون ہے وہی اُن کے لئے بھی ہوگا۔

ایک عجیب و غریب قانون

ہم نے اوپر کہا ہے کہ جو شخص اسلام کے مزاج سے معمولی واقفیت بھی رکھتا ہے اس کے لئے یہ تصور بھی حد درجہ نفرت انگیز اور لرزہ خیز ہے کہ وہ کسی پُرامن شہری کو اس بنا پر قتل کر دے کہ اس کے کسی ہم مذہب نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا ہے عجیب بات یہ ہے کہ جو اپنے ملک کا شہری بھی نہیں ہے دوسرا ملک جس سے جنگ جاری ہے وہاں کا رہنے والا ہے اور آپ کے یہاں بطور یرغمال ہے مسلمان اس کی حفاظت کا بھی ذمہ دار ہے۔ اگر دوسری حکومت بدعہدی کر کے ان مسلمانوں کو

جو اس کے یہاں بطور یرغمال تھے قتل کر دے تب بھی اسلامی قانونِ جنگ (مارشل لا) اجازت نہیں دیتا کہ آپ اُن غیر مسلموں کو قتل کر دیں جو آپ کے یہاں (رہن) یرغمال ہیں۔

قال محمد رحمه الله فان اخذ کل واحد من الفریقین من صاحبه رهنًا فغدر المشرکون وقتلوا الرهن الذی فی ایدیهم فلیس یحل للمسلمین ان یقتلوا ما فی ایدیهم ولا ان یسترقوهم لانهم کانوا امنین عندنا فلا یبطل حکم امانهم بغدر المشرکین لقوله تعالیٰ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (شرح السیر الکبیر ص۳۳ ج۳)

(ترجمہ) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد امام محمد رحمہ اللہ نے حضرت امام صاحب کا یہ مسلک نقل کیا ہے۔

اگر ہر ایک فریق نے دوسرے سے یرغمال (رہن) لئے تھے پھر غیر مسلموں نے غداری کی اور جو مسلمان ان کے یہاں یرغمال تھے ان کو قتل کر دیا تو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کو قتل کر دیں جو ان کے یہاں یرغمال ہیں نہ اُن کو غلام بنا سکتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے یہاں امن حاصل کئے ہوئے ہیں تو غیر مسلموں کی غداری کی وجہ

سے اُن کا امن ختم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ۔

کوئی ذمہ دار دوسرے کے قتل کا ذمہ دار نہیں ہوتا ۔

(سورۂ انعام وغیرہ)

تاریخ اسلام میں خدا جانے کتنے مقدمات اس طرح کے ہوئے ہوں گے صرف دو مقدموں کا ذکر امام محمد رحمہ اللہ نے کیا ہے جن کی بنا پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا اور عدالتی نظیر قائم ہوئی۔ ایک یہی مقدمہ ہے جو امیر دوانقی کی عدالت میں پیش ہوا جس میں امام ابوحنیفہ رحؒ سے فتویٰ معلوم کیا گیا تو آپ نے مذکورہ بالا فتویٰ دیا ۔

دوسرا مقدمہ اسی طرح کا امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہو چکا تھا اور آپ نے بھی یہی فیصلہ دیا تھا کہ ہمارے یہاں جو غیر مسلم یرغمال ہیں ان کو قتل نہیں کیا جائے گا ۔

امام صاحب سے کہا گیا کہ جب دونوں حکومتوں کے باہمی معاہدہ میں یہ شرط تسلیم کرلی گئی تھی کہ اگر ایک فریق نے اپنے یہاں کے یرغمال قتل کر دیئے تو دوسرا فریق بھی قتل کر دے گا تو اس شرط پر عمل کیوں نہ کیا جائے تو امام صاحب کا جواب یہ تھا کہ

"یہ شرط کتاب اللہ کے اصول کے خلاف تھی اور جو شرط کتاب اللہ کے اصول کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے ۔ مسلمان کے لئے کتاب اللہ کے خلاف کسی شرط پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا ۔"

(شرح السیر الکبیر ص ۳۳۳ ج ۳ ملخصاً)

ظاہر ہے اس صورت میں یرغمال عبث اور بیکار رہو گا اور یہ شرط لغو ہو جائے گی ۔ مگر اسلامی عدالت قرآنی اصول کی روشنی میں اسلامی حکومت کے معاہدہ کو غلط اور بیکار قرار دے سکتی ہے لیکن یہ نہیں کر سکتی کہ انسانی جان کی حرمت کے خلاف فیصلہ صادر کرے اور جو ایک مرتبہ کسی بھی عنوان سے امن حاصل کر چکا ہے اس کو امن سے محروم کر دے ۔

اہل ذمہ کی حفاظت

فریق مخالف نے جنگ کے کسی بھی موڑ پر کوئی معاہدہ کر لیا تو اس معاہدہ کی ہر ایک دفعہ کی پابندی مسلمان پر فرض ہے (جیسا کہ پہلے گذر چکا) لیکن اگر کسی بھی مرحلہ پر صلح نہیں کی یا کوئی عارضی سمجھوتہ یا معاہدہ نہ کیا ہو حتیٰ کہ دشمن کی طاقت پاش پاش ہوگئی اور بلا کسی خرخشہ کے اسلامی حکومت کا اس علاقہ پر مکمل قبضہ ہو گیا تو یہاں کے غیر مسلم باشندے جو دشمن کی فوج میں نہیں تھے

وہ سب آپ کی ذمہ داری میں آگئے ان کو اہلِ ذمہ (ذمی) کہا جاتا ہے مگر یہ ذمہ داری وہ نہیں جو اسیرانِ جنگ یا غلاموں کی ہوتی ہے بلکہ یہ ذمہ داری ایک مقدس ذمہ داری ہے۔ یہ لوگ صرف فوج یا پولیس کی ذمہ داری میں نہیں ہیں بلکہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پناہ میں ہیں ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت مسلمانوں کا ایک مقدس فریضہ ہے

ہمارے اس مضمون کا موضوع صرف حفاظتِ جان ہے۔ لہذا اہلِ ذمہ کے جملہ حقوق کی تفصیل بے محل ہے۔ حفاظتِ جان اور ہر طرح کے ظلم کی مدافعت کے متعلق اسلامی قانون کی بنیادی دفعات پہلے گذر چکی ہیں

کہ اگر کسی مسلمان پر کوئی ظلم کیا جائے تو حکومت کا فرض ہے کہ اس ظلم کو ختم کرے اور مسلمان کی حفاظت کرے ایسے ہی کسی ذمی پر کسی جانب سے کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت اور ذمی کی حفاظت اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۱۰ ص ۸۵)

اس فریضہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجروح ہیں۔ زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں اس وقت جو آپ نے وصیتیں فرمائی ہیں جن کو امتِ اسلامیہ نے بنیادی حیثیت دی ہے اور اس

طرح محفوظ رکھا ہے۔ جیسے کسی دستورِ اساسی کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ان وصیتوں میں ایک اہم وصیت یہ ہے:۔

اوصیة بذمة الله ورسوله صلّی الله علیه وسلّم ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من وراءهم ولا یکلّفوا الّا طاقتهم۔

میرے بعد جو خلیفہ ہو میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری (پناہ) کو پوری طرح نباہے جو ان سے طے ہے اُسے پوری احتیاط سے پورا کرے ان کی جان و مال کے متعلق کوئی خطرہ ہو تو اہل ذمہ کی آڑ (اور ذمیوں کے لئے حصار) بن کر اس کو دفع کرے (اور سرکاری واجبات کی) ان کو تکلیف نہ دی جائے مگر صرف اتنی جتنی وہ طاقت رکھتے ہوں (ان کی برداشت سے زائد کوئی مطالبہ اُن پر نہ ڈالا جائے) (بخاری شریف ص ۵۲۱ و ص ۵۲۲)

پھر برداشت کے متعلق یہ احتیاط کہ ہر ایک فرمانروا کو یہ بدگمانی رہتی ہے کہ اُس کے حکام نے مطالبات وصول کرنے میں ڈھیل اور سستی سے کام لیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ وصولی ہو اس کے برعکس عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے حکام

سے یہ بدگمانی رہتی تھی کہ انھوں نے زیادہ وصول کر لیا وہ بار بار جانچ کراتے کہ کوئی زیادتی تو نہیں کی گئی۔

ممکن ہے ہماری ان تفصیلات کی تردید کے لئے مسلمانوں کی حکومتوں کو پیش کیا جائے جو ہندوستان میں گذریں۔ مگر کیا وہ واقعات جو ان حکومتوں کو بدنام کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں صحیح ہیں؟ اس زمانہ کی تاریخ کی کتابیں اب تک موجود ہیں ان کی شہادت اس کے برخلاف ہے۔ فارسی کتابوں کے اب ترجمے بھی ہو گئے ہیں مسلمانوں کی حکومتوں کا تذکرہ کرتے وقت یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ مسلمان ہندوستان میں کیوں آئے اور ان کے جم جانے کا سبب کیا ہوا۔

بہرحال ان حکومتوں کی طرف سے صفائی پیش کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ تمام حکومتیں ملوکیت کے اصول پر بادشاہتیں تھیں جن سے اسلام نے نفرت ظاہر کی ہے۔ اسلامی اصول پر حکومت قائم کرنے کی کوششیں گاہے گاہے کی گئیں مگر عموماً ناکام رہیں۔ پھر خانہ جنگی اور برادرکشی کے مرض میں (جو ملوکیت کی خصوصیت ہے اس طرح مبتلا رہیں کہ اسلام کو اُن سے نفع بہت کم پہنچ سکا نقصان زیادہ پہنچا لیکن ان تمام خرابیوں کے باوجود یہ حقیقت بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ ان حکومتوں کے دور میں :-

(۱) اخلاقی قدریں پامال نہیں ہوئیں۔

(۲) یہ حکومتیں کتنی بھی خراب تھیں مگر جب وہ ختم ہونے لگیں تو مسلمانوں کی طرح (بلکہ حقیقت پسندی اور انصاف سے کام لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ) ہندوان کا ماتم کر رہے تھے۔

(۳) سوا دو سو برس پہلے (جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء سے) اہل یورپ کی حکومت کی بنیاد پڑی جس کی کامیابی کا مدار اس پالیسی پر تھا کہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" پوری ایک صدی تک اس پالیسی پر عمل ہوتا رہا مگر پھر بھی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ ہندو بھی مسلمان بادشاہ بہادر شاہ کے تاج و تخت کے لئے قربانیاں دے رہے تھے۔

(۴) ۱۸۵۷ء کے بعد تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو، کی پالیسی اور تیز ہو گئی مگر پھر بھی تقریباً ۵۰ سال پہلے (ہمارے بچپن میں) ہندو مسلم تعلقات ایسے خوشگوار اور اخلاقی قدریں ایسی کارفرما تھیں کہ اگر آج وہ لوٹ آئیں تو ہندوستان جنت نشان بن جائے۔

(۵) وہ اخلاقی قدریں اور وہ خوشگوار تعلقات اگر کسی خاص تعلیم و تربیت کا ثمرہ تھے تو ہر ایک بہی خواہ قوم اور محب وطن کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کا سرچشمہ کیا تھا۔ اس زمانہ میں کورس کی کتابیں کونسی تھیں اور تعلیم و تربیت کا طریقہ کیا تھا۔

ملک اور قوم کے مفاد کو سامنے رکھ کر ان چند باتوں پر غور کیا جائے تو بہت سے

مسائل حل ہو جائیں گے۔

مسلمان کا فرض منصبی

سورۂ نساء کی آیت ۷۴ کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے پھر غور فرمایئے،

"مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کتنے
ہی بے بس مرد ہیں کتنی ہی عورتیں ہیں، کتنے ہی بچے ہیں (جو ظالموں کے
ظلم سے عاجز آکر) فریاد کر رہے ہیں خدایا ہمیں اس بستی سے جہاں کے
باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے، نجات دلا اور اپنی طرف سے کسی کو
ہمارا کارساز بنا دے اور کسی کو مددگاری کیلئے کھڑا کر دے (سورۂ نسا)

(۱) تاریخی تحقیقات کا نہایت ضروری موضوع یہ ہے کہ سب سے پہلے آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں اموی خلافت کے نوجوان جرنیل (محمد بن قاسم) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس کا محرک کیا تھا وہ خود چڑھ دوڑا تھا یا کوئی فریاد اس کے کانوں تک پہنچی تھی جس نے اس کو بے چین کر دیا تھا۔

(۲) بہرحال یہ پرانی بات ہے لیکن آج جب چین کی سرخ فوج کے حالات اخبار میں پڑھیں تو ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ فریضہ مسلم کیا ہے اور ہم کس پستی میں پڑے ہوئے ہیں اور ہمیں کتنی طویل مسافت طے کرنی ہے کہ ہم اس فرض منصبی کے ادا کرنے کے قابل بن سکیں اور جب تک ہم

اس قابل نہ ہوں بارگاہِ خداوندی میں ہمارا جواب کیا ہوگا۔

(۳) یہ آیت کریمہ مسلمان کو دنیا کی تمام کمزور قوموں کا مددگار اور غیر محفوظ نسلِ انسانی کا پاسبان قرار دے رہی ہے وہ چین میں ہوں یا سائبیریا کے جنگلات میں امریکہ کے سُرخ فام نیگرو ہوں یا افریقہ کے سیاہ فام حبشی۔

اشاعت دین اور جبر واکراہ

لیکن اس طرح بے بس قوموں کی امداد کر کے اُن کو جبر و قہر کے شکنجہ سے نجات دلائیں تو کیا پھر آپ ان کو مجبور کریں گے کہ وہ کلمہ پڑھیں؟ ہرگز نہیں۔

کیوں؟ اس لئے کہ وہ اللہ جس کی راہ میں مسلمان جنگ کرتا ہے اس کا اعلان ہے،
دین کے بارے میں کسی طرح کا کوئی جبر نہیں۔ بلا شبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے
الگ ہو کر سامنے آگئی ہے۔ (سورۂ بقرہ ع۲ آیت ۲۵۵)

دونوں راستے لوگوں کے سامنے ہیں جو چاہیں اختیار کریں دین کا تعلق دل کے اعتقاد سے ہے۔ جبر و تشدّد سے اعتقاد نہیں پیدا کیا جا سکتا دلوں کو صرف اخلاق کے دباؤ سے جھکایا جا سکتا ہے۔ تلوار کی جھنکار سے گردنیں جھک سکتی ہیں دل نہیں جھک سکتے۔

قانون اسلام کی مسلّمہ دفعہ

کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا مگر جو جبراً مسلمان بنائے گئے کیا ان کو قانونِ

اسلام کی یہ بنیادی دفعہ بھی معلوم نہیں تھی اقرار المکرہ باطل سواء کان الاکراہ بالحبس او القتل۔ (شرح السیر الکبیر ص۳۲۷ ج۴)

جس سے زبردستی کچھ کہلوا لیا گیا اس کا یہ اقرار باطل (قطعاً ناقابل اعتنا) ہے خواہ اس کو قید کی دھمکی دی گئی ہو یا قتل کی (ص۳۲۷ ج۴ شرح السیر الکبیر)۔

ایک مسلمان کا اسلام سے برگشتہ ہو جانا (معاذ اللہ) بغاوت ہے اس کو وہی سزا دی جا سکتی ہے جو کوئی انقلابی پارٹی اپنے باغی اور غدار ممبر کو دے سکتی ہے لیکن اگر ایک شخص اس لئے برگشتہ ہوتا ہے کہ اس کو زبردستی مسلمان بنا لیا گیا تھا تو اس کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ ایسے لوگوں کیلئے اسلامی عدالت کا راستہ ہمیشہ کھلا رہا ہے جس کا قانون یہ تھا اور ہے:۔

ولو اکرہ علی الاسلام حتی حکم بالاسلام ثم رجع لم یقتل۔ ہدایہ اخیرین۔ کتاب الاکراہ ص۳۳۵

اگر مجبور کر کے مسلمان بنا لیا گیا یہانتک کہ اسلام کے احکام اس پر جاری ہو گئے (مثلاً مسلمان رشتہ دار کا ترکہ اس کو مل گیا یا کسی مسلمان عورت سے نکاح کر لیا وغیرہ) پھر اس نے اسلام سے رجوع کر لیا اور عدالت میں یہی بیان دے دیا کہ اس کو جبراً مسلمان بنایا گیا تھا تو مرتد کی سزا "قتل" اس کو نہیں دی جائیگی (ہدایہ آخرین)

بدنام بادشاہ عالمگیر کے زمانہ میں خود عالمگیر کی نگرانی میں جو قانون کی کتاب مرتب کی گئی جس کو فتاویٰ ہندیہ یا عالمگیریہ کہا جاتا ہے اس میں یہ دفعہ موجود ہے۔

ولو اکرہ علی الاسلام حتی اسلم ثم رجع من الاسلام لا یقتل (کتاب الاکراہ ص۵۴۴ ج۵)

اگر اسلام لانے پر مجبور کیا گیا یہانتک کہ اس نے اسلام کا اقرار کر لیا (مسلمان ہو گیا) پھر اس نے اسلام سے رجوع کر لیا تو اس کو سزا نہیں دی جائیگی (بری کر دیا جائیگا)

دھمکی بھی نہیں دیجا سکتی جبر و اکراہ تو درکنار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت بھی نہیں دی کہ دعوت و تبلیغ کے موقع پر ایسی بات کہی جائے جس سے نفرت و آزردگی پیدا ہو۔ آپ نے اپنے دو جلیل القدر ساتھی (حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما) کو دعوت و تبلیغ کے لئے یمن بھیجا تو ان کو خاص طور پر ہدایت فرمائی۔

بشرا ولا تنفرا (بخاری شریف وغیرہ)

ان کو دنیاوی اور دینی کامیابیوں کی بشارت دو۔ ڈرا دھمکا کر ان میں آزردگی پیدا نہ کرو۔

رواداری رواداری اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اگر ماں باپ تجھ سے اس پر جہاد کریں (اور دباؤ ڈالیں) کہ تو اپنے علم و اعتقاد کے خلاف اللہ کا کوئی ساجھی بنائے تو اُن کا یہ کہنا نہ مانو مگر اُن کے ساتھ دنیا میں اسی طرح رہو جس طرح ماں باپ کے ساتھ رہا جاتا ہے۔

تبلیغ کا قرآنی طریقہ اس سلسلہ میں سورہ نحل ۱۶ کی آخری آیتوں (۱۲۵ و ۱۲۶) کا ترجمہ پیش کر کے یہ سلسلہ مضمون ختم کیا جا رہا ہے۔

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اس طرح کہ حکمت اور دانائی کی باتیں بیان کرو اور اچھے طریقہ پر پند و نصیحت کرو اور مخالفوں سے بحث اور تبادلہ خیال کرو تو وہ بھی ایسے طریقہ پر جو حسن و خوبی اور تہذیب و سلیقہ میں سب سے بہتر طریقہ ہو، تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون راہِ راست پر ہے تمہیں اپنی سچائی کا گھمنڈ نہ ہو - ۱۲۴ و ۱۲۵ سورہ نحل ۱۶

محتاج دعا۔ محمد میاں

۲۲ رجب ۱۳۸۷ھ - ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء